رب العالمین

حصہ دوم ـــــــ مقصودِ زیست

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

(۳)

رب العالمین کی ربوبیت کے بھی دو پہلو ہیں ۔ ایک ربوبیت اس جسم کو پالتی ہے جو آج ہے اور کل فنا کے گھاٹ اتر جائے گا۔ اور ایک ربوبیت روح کی غذا کا اہتمام کرتی ہے جو ازل سے ابد تک خدا کے حکم کی مانند جاری و ساری ہے اور ایک زندہ و پائندہ ہستی کی حیثیت میں فانی جسم سے زیادہ قیمتی ہے ۔کیا جسم کو پالنے والا روح کی پرورش کا انتظام نہ فرمائے گا ؟ اس سمیع و بصیر ہستی سے یہ امر عقلاً بعید ہے کہ وہ جسم کی تو پرورش و پرداخت کا اتنا اہتمام کرے اور روح کو نظر انداز کر دے جو اس کے حکم کا حصہ ہے ۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ انسان اس کی بندگی بجا لائیں ۔ اس لیے کہ اس نے انسان کو بندے بنا کر ہی پیدا کیا ہے اور پھر ان کی پرورش کا انتظام و انصرام کیا ہے ۔شعور و احساس اور ارادہ دے کر باقی مخلوقات کے مقابلے میں انہیں اشرف المخلوقات بنایا ہے ۔گویا سامانِ زیست فراہم کرنے والے کے ہی ذمے ہے کہ وہ مقصودِ زیست بھی بتائے ورنہ انسان تو ظلوم و جہول ہے اور بے خبر اور بے علم ہے ۔ اگرچہ اس کا وجدان ہمیشہ کسی بالاتر قوت کی بندگی کا مطالبہ کرتا رہتا ہے جو شاید اس کے میثاقِ ازل کا پرتو ہے ۔ لیکن واضح تعلیم و ہدایت سے وہ محروم ہے

اس لیے رزقِ جسمانی و مادّی کے ساتھ ساتھ رزقِ روحانی فراہم ہونا بھی انسان کی بنیادی ضرورت ہے اور اس کا انتظام بھی مالک کے ہی ذمے ہے۔

وہ پرورش کرنے والا جو جسم کی ظاہری نشو و نما کے ساتھ ساتھ اس کی باطنی صلاحیتوں خوبیوں اور خصوصیات میں بھی نوع بہ نوع اضافہ کرتا چلا جاتا ہے اور اسے ارادہ، شعور، احساس، جذبہ اور نہ معلوم کن کن خفیہ صلاحیتوں سے نوازتا ہے۔ اس سے یہ بات بعید ہے کہ وہ انسان کی رُوح کی رہنمائی کا اہتمام نہ کرے۔ یہ اُس کی ربوبیت کا لازمی تقاضا ہے۔ حضرت مسیحؑ نے کیا خوب فرمایا تھا کہ "انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ وہ اس کے کلمے سے جیتا ہے جو خدا کی طرف سے آتا ہے۔" حضرت مسیحؑ کا یہ ارشاد اس حقیقت کی طرف مکمل اشارہ کرتا ہے جس حقیقت کو ہم حقیقتِ منتظر کہہ سکتے ہیں۔ اس حقیقت منتظر سے آگاہی انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ وہ حقیقتِ منتظر کیا ہے، یہ کہ اس کائنات کا ایک رب ہے جو خالق و مالک و آقا ہے اور ساری مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہے اس لیے اسی کا یہ حق ہے کہ تمام مخلوق اس کی بندگی بجا لائے۔ لیکن بندگی بجا لانے کے طریقے کس سے معلوم کرے اس کا انتظام بھی جسمانی غذا فراہم کرنے والے مالک نے روحانی غذا کی خاطر انبیاء کرام کے سلسلہ کی صورت میں کیا ہے جو انسانوں تک خدا کا پیغام پہنچاتے ہیں اور انسانوں کو خدا کی مرضیات سے آگاہ کرتے ہیں تاکہ انہیں اپنے جسم و جان کی غایت اور اپنی پرورش کے اسباب کا علم ہو جائے۔ انبیائے کرام انہیں بتاتے ہیں کہ انسان اُس دنیا میں بے مہار نہیں ہے بلکہ مسئول ہے اور ایک دن یومِ حساب ہوگا۔ جب اُس سے اُس کی دُنیوی زندگی کے سارے کارنامے کے بارے میں حساب لیا جائے گا۔

یہ انبیاء کا سلسلہ بھی پوری انسانی تاریخ میں مالک کی روحانی ربوبیت کا ایک دوسرا شاہکار ہے۔ یہ انبیاء اپنے خاص ذرائع سے انسانوں کو جسم کی پرورش کے ساتھ ساتھ روحانی ترقی اور خالق کی رضا سے بھی آگاہ کرتے ہیں اس سلسلے کو سلسلۂ رسالت کہا جاتا ہے۔

رسالت خدا اور بندے کے درمیان ایک معتبر ترین واسطہ ہے، بندہ خدا کی ذات سے تحت الشعور میں تو باخبر ہے لیکن اپنے حواس خمسہ سے اس کا ادراک نہیں کر سکتا جس طرح وہ دوسری مادی چیزوں کا ادراک کرتا ہے۔ وہ عقلی دلائل، آیاتِ الٰہی، مناظر فطرت، قوت و ہیبت

کے مظاہر اور مالک کے احسانات کے مختلف گوشوں کا احساس کر کے اس امر سے تو ضرور آگاہ ہو جاتا ہے کہ یہاں کوئی بالاتر ذات موجود ہے جو اس کی ہستی اور اس کے عالم سے ورا لورا ہے جو اس کی ہستی سے بے حد قریب ہے۔ اور اس کی عقل کی پہنچ سے بہت دور ہے۔ لیکن اس کا حقیقی شعور اس کے احکام اور اس کی مرضی سے آگاہی اس کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ وہ اپنے فہم و ادراک سے عقلی طور پر خدا کی ہستی کا قائل ہو سکتا ہے۔ لیکن اس سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسے ضرورت ہوتی ہے کہ کوئی ایسا ہو جو اس کا تعارف اس کے مالک سے کرائے۔

ہر قوم کو انسانوں کے مالک سے تعارف کرانے والی ہستیاں ہی رسول کہلاتی ہیں۔ یہ رسول دنیا کی قوموں کی طرف سے دعوت اور رہنمائی کے لیے مقرر کردہ نہیں ہوتے۔ یہ رسول خود اپنے طور پر بھی اس کام کے لیے اٹھ کھڑے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ رسول خدا کے منتخب کردہ افراد ہوتے ہیں جو ہر قوم تک اپنے اپنے دور میں ان کے حقیقی مالک کا پیغام پہنچاتے ہیں، ہر زمانہ میں یہ رسول اٹھتے رہے اور ہر قوم میں اپنے خدا کا پیغام پہنچاتے رہے۔ لیکن چونکہ خدا ایک ہی ہے۔ اس لیے ہر قوم کی طرف ہر زمانے میں ہر رسول کی معرفت ایک ہی پیغام ارسال کیا جاتا رہا اور ان میں زمانوں، علاقوں، نسلوں، اور زبانوں کے فرق کے باوجود پیغام میں کبھی کوئی فرق نہیں رہا۔ اور چونکہ خدا اور بندے کا حقیقی رشتہ بندگی کا رشتہ ہی ہے اس لیے ہر دور میں ہر نبی کے ذریعے خدا کا پیغام بھی اسی امر پر مشتمل رہا کہ "خدا کے بندو خدا کی بندگی اختیار کرو اس لیے کہ اس کے سوا تمہارا اور کوئی خدا نہیں ہے۔" یہ پیغام متواتر تکرار اور تسلسل کے ساتھ ہر قوم کی طرف آتا رہا ہے اگر ہم زمان و مکان کے فاصلوں کو کاٹ کر تمام قوموں کے انبیاء کی حقیقی دعوت کو یکجا کریں تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ تمام انبیاء نے ہمیشہ ایک ہی بات کہی۔ کسی نے اپنی بندگی کروانے کی کوشش نہیں کی۔ اور کسی نے اس دعوت سے اپنا مفاد بھی حاصل نہیں کیا البتہ اس سادہ دعوت کے نتیجے میں انھوں نے سخت ترین مخالفتوں کو برداشت کیا اور زندگی کی آخری گھڑیوں تک اپنی قوم کے افراد کو یہی دعوت دیتے رہے اور انہیں بتاتے رہے کہ ان کے دنیوی اور اخروی مفادات بس اس بات کو تسلیم کرنے میں ہی پوشیدہ

ہیں کہ وہ اپنے حقیقی منعم کو شناخت کریں۔ اس کی ذات کا اعتراف کریں اور اس کی مرضیات اور احکام کی پابندی کریں جو احکام خود اُن کے اندر عدل و انصاف اور امن و امان قائم کرنے کے لیے ہی دیے گئے تھے۔

رسالت کے ذریعے ہی بنی نوع انسان کو یہ معلوم ہوا کہ انسانوں اور جنوں کی پیدائش کی تو غرض و غایت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے خدا کی بندگی، اطاعت اور عبادت کریں اور دنیا کے باقی سارے کام اسی حقیقی غرض و غایت کے تحت سرانجام دیں۔

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ - (الذاریات: ۵۶)

ظاہر ہے کہ جس مقصد کے لیے کوئی چیز بنائی گئی ہو اگر اس کام کے لیے وہ استعمال نہ کی جائے تو اس کا مقصدِ تخلیق ہی فوت ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی کا مصرف ہی رائیگاں ہو جاتا ہے۔ اگر گھڑی کو وقت دیکھنے کی بجائے پانی ڈالنے کے لیے استعمال کیا جانے لگے۔ اور ٹوپی کو سر پہ اوڑھنے کے بجائے اسے کاسہ گدائی بنالیا جائے تو ظاہر ہے . . . . کہ ان چیزوں کا مقصدِ وجود ہی فوت ہو جاتا ہے اس لیے کہ ان کاموں کے لیے دوسری چیزیں موجود ہیں۔ اسی طرح انسان اگر اپنے مقصدِ زیست یعنی اپنے مالک کی عبادت کی بجائے صرف کھانے پینے رہنے سہنے اور نسل کشی کے کام کو ہی اپنا مقصدِ زیست قرار دے لے تو اس کے وجود کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ اور وہ اشرف المخلوقات کے مقام سے گر کر دیگر حیوانات کی سطح پہ آ پڑتا ہے بلکہ اُن سے بھی نیچے کہ وہ اپنے وجود کے مقاصد کو پورا کرتے ہیں لیکن انسان کے وجود کا جو مقصد بنایا گیا ہے اس سے وہ گریز اور انحراف کا راستہ اختیار کرتا ہے ؎

اپنے مالک کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

خدا کیا ہے اور اس کی صفات کیا ہیں؟ انسان کون ہے، کہاں سے آیا ہے۔ اس کا مقصدِ وجود کیا ہے؟ یہ کائنات کیا ہے؟ اس کائنات کا پیدا کرنے والا کون ہے اور اس کائنات سے خدا اور انسان کا کیا تعلق ہے؟ انسان کو اس زمین پہ کس طرح رہنا چاہیے اور جو سامانِ زیست اُس کے چاروں طرف بکھرا پڑا ہے اُسے کن شرائط و حدود میں رہتے ہوئے اپنے دیگر

بنی نوع کے ساتھ کس طرح استعمال کرنا چاہیے۔ یہ سروسامانِ زندگی جو قیامِ زندگی میں ممد و معاون ہے کیا اس کا حصول ہی مقصدِ زندگی ہے یا سروسامانِ زندگی صرف قیامِ زندگی کا ذریعہ ہے۔ اور خود زندگی کا مقصود کچھ اور ہے۔ ان ساری باتوں کا جواب رسول ہی دے سکتے ہیں، جو خدا کے نمائندے، اس کے فرستادہ، اس کے دیے ہوئے علم کے حامل اور اُس کے بہت سے امورِ تکوینی کے عینی شاہد ہوتے ہیں اور اگر انہیں آگ میں جلا دیا جائے یا پہاڑوں سے گرا دیا جائے یا آروں سے چیر دیا جائے تو بھی وہ اپنے مشاہدہ اور علمِ حقیقی کی بنا پر اپنے مشاہدے اور علم کو جھٹلا کر اپنے موقف سے نہیں ہٹ سکتے۔ انبیاء میں سے کوئی نبی اپنے موقف سے کبھی پیچھے نہیں ہٹا ہے۔ اس لیے کہ جو بات وہ کہتے ہیں اس کا علم انہیں عین الیقین کی حد تک حاصل ہوتا ہے اور کوئی شخص اپنے ذاتی مشاہدے کو اور اپنے حقیقی علم کو کسی دباؤ کے تحت بھی جھٹلا نہیں سکتا۔ کوئی شخص جلتے بوجھتے آگ کو برف اور پتھر کو رُوئی کیسے کہہ سکتا ہے۔

دُنیا کا کارخانہ وسیع و عریض ہے۔ کروڑوں اشیاء کی موجودگی میں کروڑوں افراد کے درمیان رہتے ہوئے فرائض و حقوق اور تعلقات کا پیچ در پیچ سلسلہ وجود میں آتا ہے ۔ بے شمار افکار ہیں، متعدد راستے ہیں، بے نہایت نظریات، فلسفے اور دعوے ہیں — ان فرائض و حقوق و تعلقات اور ان افکار و نظریات و خیالات کے اُلجھے ہوئے راستوں کے گھنے جنگل میں انسان بالکل گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ زندگی کی پیچ در پیچ گزرگاہ میں اسے صراطِ مستقیم کی طرف بلانے والی ایک ہی ہستی ہے۔ جو اُس کے سارے مسائل اور دکھوں کو سمجھ کر ان کا مداوا کرتی ہے اور وہ ہستی رسول کی ہستی ہے جو اس کی ہمدرد، غمخوار، دُکھ درد کی ساتھی اور دُنیا و آخرت کی حقیقی خیر خواہ ہستی ہے۔ یہ رسول پوری قوم کی آنکھ اور اس کا دھڑکتا ہوا دل ہوتا ہے۔ اس کے اشارے پر چل کر ہی کوئی قوم فلاح پا سکتی ہے۔ اور خسران سے بچ سکتی ہے۔

فرمایا گیا:-

" وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۔ (العصر)

پوری بنی نوع انسان کی دنیوی تاریخ کا ریکارڈ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ بے خبر انسان درحقیقت خسارے میں ہی ہے اِلّا یہ کہ وہ خدا اور اس رسولوں پہ ایمان لائے ۔ ان کے احکام پر عمل پیرا ہو کر اعمالِ صالح کرے ۔ احکامِ خداوندی کو دوسروں تک پہنچانے کا فریضہ ادا کرے اور اس راستے میں جو مشکلات بھی پیش آئیں انہیں صبر سے انگیز کرے ۔ خسران سے بچنے کی بس یہی واحد صورت ہے۔

اور یہ خسران کیا ہے ؟

اللہ کی ہستی سے بے خبری اور بے پروائی کی حالت میں اپنی عمر کی ساری مدت گزار دینا ، اس کے احکام پر چلنے سے گریز کرنا ، رسولوں کے بتائے ہوئے صراطِ مستقیم سے انحراف کر کے زندگی کی گمراہ کن پگڈنڈیوں پہ بھٹکتے پھرنا ۔ اور مرنے کے بعد جب اعمال صالحہ کمانے کی مہلت پوری ہو چکے اور اچانک اُس حقیقتِ عظمیٰ سے دوچار ہونا پڑے کہ اس کائنات کا تو ایک خدا بھی ہے اور اس کے احکام پر چلنا ہی اس کی زندگی کا محور و مقصود ہے ۔ اور اس نے دُنیا میں اپنی ساری زندگی جو اپنے مقصودِ زندگی سے ہٹ کر گزاری ہے وہ تمام تر ضائع ہو گئی ہے ۔ اب اس ہولناک تباہی سے بچنے کی کوئی صورت اور اس دکھ کا اب کوئی مداوا نہیں ہے ۔ بس یہی خسرانِ مبین ہے ۔

انسان کو اس خسران سے بچنے کا راستہ انبیاء کرام ہی بتاتے ہیں ۔ رسالت کا وجود ہی انسان کو خسران سے بچانے کے لیے ہے اور یہ خدا کی نہیں بلکہ بندے کی اپنی ضرورت اور احتیاج ہے جس طرح جسم کی زندگی کے لیے غذا بندے کی اپنی مادی احتیاج ہے اسی طرح رُوح کی فلاح و نجات کے لیے انبیاء کے طریقے پہ چل کر خدا کی بندگی کرنا بھی انسان کی اپنی روحانی احتیاج ہے ۔

رسالت انسان کی حقیقی روحانی دست گیری کا کام کرتی ہے ۔ اسے شیطان کی جھوٹی اور غلط کارروائیوں سے بچا کر رحمان کی مرضیات سے آگاہ کرتی ہے ۔

انسان کی زندگی میں ایک خلاء ہے وہ اپنے آس پاس بہت کچھ دیکھتا ہے ، لیکن اُسے

خالق اور صانع کی ہستی کہیں دکھائی نہیں دیتی۔ وہ بادلوں کو برستے دیکھتا ہے، سورج کو چڑھتے اور ڈھلتے دیکھتا ہے۔ چاند کی گردش کو دیکھتا ہے، دریاؤں کی روانی، سمندر کے طوفان اور سرسبز درختوں کی ثمردار شاخیں دیکھتا ہے۔ وہ زمین کے ایک ہی گوشے سے بیک وقت میٹھے کھٹے پھیکے اور رنگ برنگ پھل اور پھول کھلتے اور پھلتے پھولتے دیکھتا ہے۔ وہ پرندوں کے جھنڈ دیکھتا ہے، وہ بچوں کو پیدا ہوتے پھر انہیں ماؤں کی گودوں میں بڑھتے، پروان چڑھتے، پرورش پاتے اور پھر ان کے انہیں چھوٹے چھوٹے جسموں کو پھیلتے اور طویل وعریض ہوتے دیکھتا ہے۔ وہ مویشیوں کے اسی پیٹ سے جہاں سبز چارہ جاتا ہے، سفید سفید دودھ برآمد ہوتے دیکھتا ہے، وہ قدم قدم پر حیرت و استعجاب کا شکار ہوتا رہتا ہے اور ان چیزوں کا عادی ہونے کے باوجود ذرا سا غور کرنے سے ہی وہ متحیر ہو کر رہ جاتا ہے اور سوچ بچار کی اتھاہ گہرائی میں ڈوب جاتا ہے۔ ان سب باتوں کا جواب دینے کے لیے اس کے سامنے ایک ہستی نمودار ہوتی ہے جو اُس کے ایک ایک سوال کا جواب دیتی ہے اور یہ ہستی اس رسول کی ہوتی ہے جس کی تعلیم کا وہ مخاطب ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ انسانوں کی روحانی ہستی کے خلا کو رسول ہی پُر کرتے ہیں۔ رسول دُنیا میں بھی انسانوں کے سامنے خدا کا گواہ ہوتا ہے اور آخرت میں بھی خدا کے سامنے اپنے منصبِ رسالت کی ذمہ داریاں ادا کرنے کا ذمہ دار اور گواہ ہوتا ہے۔ اس دوہری گواہی کے سبب وہ بے حد فکر مند ہوتا ہے اور ہمیشہ دعوتِ دین کے اس کام کو اپنے جسم وجان کی پوری توانائی صرف کر کے اور اپنے سارے دوسرے کام چھوڑ چھاڑ کر...... سرانجام دیتا ہے اور اُس کے لیے اپنی توانائی، صلاحیت اور قوت اس انداز میں اور اس حد تک صرف کرتا ہے کہ حقیقتاً خدا کی حجت خدا کے بندوں پر اُس کے ذریعے پوری ہو جاتی ہے۔ رسول اپنے کام میں کبھی تساہل نہیں کرتا۔ وہ کبھی بے نیازی اور لاپروائی کا رویہ اختیار نہیں کرتا۔ اللہ کے دین کی دعوت پیش کرنے کے بعد وہ کبھی مردم بیزاری اور گوشہ گیری کا طریقہ اختیار نہیں کرتا۔ وہ مسلسل اور متواتر ہر سمت اور ہر جہت سے قوم کے دل و دماغ میں اپنی بات اتارنے کی پیہم کوشش کرتا ہے اور اُس کے لیے ہر موزوں موقع، ہر بہتر انداز اور ہر اعلیٰ تدبیر اختیار

کرتا ہے۔ قومیں خدا کے سامنے کبھی اس امر کا ثبوت فراہم نہ کر سکیں گی کہ رسولوں نے ان تک دعوت نہ پہنچائی بلکہ رسولوں کا کیا ہوا کام اپنی اپنی قوم کے سامنے اتمام حجت کے لیے بہت کافی ہوگا اور کسی رسول کی قوم کا کوئی فرد اس حجت کے سامنے سر نہ اُٹھا سکے گا۔

خدا جو ہر شے کا خالق اور پروردگار ہے اس بات کا حق رکھتا ہے کہ وہ اپنے بندوں پہ جبر کا رویہ اختیار کرے لیکن جبر کی صورت میں کسی نوعِ مخلوق کو اشرف المخلوقات قرار دینا، پھر اس کے لیے زندگی کا ایک وقفہ بطورِ امتحان مقرر کرنا اور پھر اُسے ایک دائرے میں آزاد مرضی کا موقع فراہم کر کے آزمانے کا پروگرام ہی بیکار ہو جاتا، اس لیے کہ خدا نے انسان کو رسولوں کی تعلیمات تسلیم کرنے کے معاملے میں رائے اور عمل کی آزادی عطا کی ہے۔ اسی لیے رسولوں کی تعلیمات ہمیشہ انسانوں کے فہم و شعور کو اپیل کرتی ہیں۔ اور ان کے آزادیٔ رائے کے راستے سے ہی انہیں خدا کی بندگی کی طرف دعوت دیتی ہیں تاکہ جب وہ اپنی آزاد مرضی سے خدا کی بندگی اختیار کریں تو آخرت میں اعلیٰ مدارج اور خدا کی رضا کے حقدار بن سکیں۔ اسی لیے رسولوں کو قوموں کے اندر اس انداز میں بھیجا گیا کہ وہ سب سے قوی اور مقتدر ہستی کے نمائندے ہونے کے باوجود انسانوں کی آزاد مرضی کا تختۂ مشق بنتے رہے۔ انہوں نے ماریں کھائیں، وہ ظلم و ستم کا نشانہ بنے اور لوگوں کی مزاحمت و مخالفت سے انہوں نے سخت تکالیف برداشت کیں۔ اس طرح ایک طرف انسانوں کو فہم و شعور اور رائے کی آزادی فراہم کی گئی تو دوسری طرف انہوں نے اپنے طرزِ عمل سے ہی اپنے سعید یا شقی ہونے کا ثبوت بھی فراہم کیا۔

رسالت انسانوں کے لیے رحمت ربانی ہوتی ہے جو بھٹکے ہوؤں کو راہ راست دکھاتی ہے گمراہوں کی دستگیری کرتی ہے۔ تاریکی میں ٹھوکریں کھانے والوں کو خدائی تعلیمات کا سورج دکھاتی ہے۔ اور جس کا وجود ہی خدا کے وجود کا اعلان ہوتا ہے۔ رسالت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی اس شان کی مظہر ہے جو انسان کی رُوح کی نجات کا ذریعہ بنتی ہے۔ جو انسان کی رُوحانی غذا فراہم کرتی ہے، جو انسان کو حیوانی سطح سے اُٹھا کر اشرف المخلوقات کے مقام پر متمکن کرتی ہے۔ جو دلوں کا نور ہے، جو دماغوں کی قندیل ہے، جو رُوحوں کی رہنما ہے۔ جو آخرت کی چشم دید گواہ ہے۔ جو مرضیٔ مولا سے اس کے غلاموں کو آگاہ کرتی اور ان پر حجت قائم کرتی اور بندوں کی طرف

سے اپنے مالک کے سامنے معذرت کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس کی ہدایت کا سایہ ٹھنڈا، جس کی تعلیم کا پانی شیریں اور جس کی رہنمائی کا ثمر لذیذ روح پرور اور بابرکت ہے۔ جس کے بغیر انسان صرف حیوانِ ناطق ہے اور جس کی دست گیری سے محروم انسان کے لیے مہذب ہونا بھی ممکن نہیں ہے۔ اس کے بغیر انسان اگر ہتھیار بناتا ہے تو اپنے گلے کاٹنے کے لیے، اگر دوا بناتا ہے تو بنی نوع انسان کے جسموں میں زہر کے ٹیکے لگانے کے لیے اور اگر لباس پہنتا ہے تو پوشش ستر کے لیے نہیں بلکہ نمائش ستر کے لیے۔ رسالت انسانیت کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر انسانیت وہ حیوانیت ہے جو اپنی حیوانیت کی نمائش کا زیادہ سے زیادہ اعلان و اشتہار ہے اور جو اپنے ہی پاؤں کی ٹھوکر سے اپنی ہی ہستی کے چور لے پر اپنے ہی بنی نوع کے سامنے ذلیل و رسوا اور خوار و زبوں ہو کر رہتی ہے۔

انسان میں آج نیکی و بدی کا جو شعور ہے وہ اس رسالت کا ہی عطا کردہ ہے۔ ہر دور میں انسان کے پاس خدا کے نمائندے رسول آتے رہے ہیں۔ ان کی تعلیمات نے انسانوں کی ہمیشہ رہنمائی کی ہے۔ اس رہنمائی میں اغراض و مفادات اور تعصب و جہالت کی آمیزش سے جو ٹیڑھ اور کجی بعد کے لوگ پیدا کرتے رہے ہیں اس کے باوجود نیکی اس لیے اچھی ہے کہ وہ نیکی ہے اور بدی اس لیے بدی ہے کہ اس کے کرنے سے میثاقِ ازل کا گواہ انسانی ضمیر ناخوش اور غیر مطمئن رہتا ہے۔ یہ شعور رسولوں کی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے اور کوئی بڑے سے بڑا یا بُرے سے بُرا انسانی معاشرہ بھی اس شعورِ نیک و بد سے محروم و بے خبر نہیں ہے۔ جنگلوں کے وحشی قبائل اور متمدن شہروں کے مہذب شہری سب کے اندر یہ مشترکہ شعور پایا جاتا ہے اور یہ رسالت کے عطیات کا ہی نتیجہ ہے۔

ہر دور میں رسول مختلف قوموں کی طرف آئے اور وہ اپنے ہمراہ کھلی کھلی واضح نشانیاں لائے۔ وہ کتابِ الٰہی کا علم لائے اور خود حق و ناحق کا معیار بن کر آئے۔ انہوں نے افراد اور قوموں میں انصاف کی بنیادوں کو مستحکم کیا، انہوں نے اخلاق اور مساواتِ انسانی کا عَلم بلند کیا، انہوں نے انفرادی زندگی کے اصول اور اجتماعی زندگی کے قوانین بیان کیے۔ انہوں نے جس معاشرے میں بھی کام کیا وہاں توازن و مساوات، عدل، انصاف، اخوت، نیکی، ہمدردی اور بھلائی کی قدریں پھیل گئیں۔ وہ انسانی معاشروں میں خوشبو بن کر آئے اور نیکیوں کا باغ لگا کر تشریف لے گئے۔

بلاشبہ سارے ہی رسول انسانیت کے مہکتے ہوئے پھول تھے۔

رسولوں کے ذمہ ہمیشہ یہی فریضہ رہا کہ وہ اللہ رب العالمین کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچائیں۔ ان کا پیغام ہمیشہ ایک ہی تھا۔ ان سب کا پیش کردہ دین بھی ایک تھا، وہ سب ایک ہی ہدایت کے پیرو تھے۔ وہ اصول جو روز ازل سے بندگی، اطاعت اور تہذیب و شائستگی کے مقرر کر دیے گئے تھے وہ سب انہیں اصولوں کے مبلغ تھے۔ ان کے ذمے یہی تھا کہ اپنی تبلیغ کے زور سے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کو علیحدہ علیحدہ ممتاز گروہ بنا دیں تاکہ بندگی اور بغاوت کی آمیزش نہ رہے اور خدا کے دیے ہوئے اصول و قوانین اطاعت گزار بندوں پر پورے کے پورے نافذ ہوں۔

رسولوں کے ذریعے خدا کا ارسال کردہ دین اور نظام زندگی قوموں کے لیے محض اصلاح مذہب کی کسی تجویز پر مشتمل نہیں رہا ہے۔ یہ پوری انسانی زندگی کو خدا کی بندگی میں لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے ذریعے انسان کی زندگی کے سارے شعبوں میں اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت جاری کرنے کا سلیقہ سکھایا گیا اور جب کبھی زمین پر وہ اصول نافذ ہوئے، زمین باغ جنت کا نمونہ بن گئی۔

رسولوں کا یہ سلسلہ ہر دَور میں اور ہر قوم میں مسلسل جاری رہا اور اللہ کا دین انسانی شعور کی ترقی اور انسانی تہذیب و تمدن کی وسعت کے ساتھ انسانی زندگی کے زیادہ سے زیادہ دائرے پر بار بار جاری ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ رسولوں کا سنہری سلسلہ اپنے انجام کو پہنچا۔ اس سلسلے کے آخری رسولؐ تشریف لائے جو عمارتِ نبوت کی آخری اینٹ تھے جو باغِ رسالت کے مہکتے ہوئے آخری پھول تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کے نامِ نامی سے ساری دُنیا آگاہ ہے۔

ان کا دَور قدیم دُنیا کے خاتمے کا اور جدید دنیا کے آغاز کا دَور تھا۔ وہ دُنیا کے وسط میں کھڑے ہو کر پیغامِ حق دے رہے تھے۔ ان کے پیچھے جو زمانہ گزر گیا تھا وہ انسانی شعور کے ادھورے اظہار کا دَور تھا۔ اب انسانی شعور پوری طرح بالغ ہو کر سامنے آگیا تھا اور انسانی زندگی کی تمام وسعتیں اپنے مختلف پہلوؤں کے ساتھ نمودار ہو رہی تھیں۔ انسانیت کو

جن اصولوں کی ضرورت تھی اور اُسے جس انداز کا طرزِ حیات مطلوب تھا اس کا نمونہ حضورؐ اکرم کی تعلیمات میں پورے طور پر سامنے آگیا۔ اب وہی قدیم سادہ سی تبلیغِ کلماتِ ربّانی کی دعوت ایک عظیم انقلابی تحریک بن کر اُٹھی تھی جس کا کام دین کو غالب کرنا تھا۔ انسانیت کو اپنی زندگیاں خالص اللہ کی بندگی میں گذارنے کے لیے جس نوعیت کے احکام کی ضرورت تھی وہ سارے ہی احکام اپنی تمام تفصیلات کے ساتھ اور وہ سارے ہی اصول اپنی تمام بنیادوں کے سامنے سامنے آگئے۔ ان کے نفاذ کے لیے جدوجہد ہوئی۔ اس تحریک کی زبردست مزاحمت ہوئی۔ مزاحمتوں کو توڑ کر حق کی تعلیمات کو سربلند اور نافذ کرنے کا راستہ بنا دیا گیا۔ اور دُنیا میں پہلی بار یہ وقوع ہوا کہ جو کچھ آسمان سے نازل ہوا وہ سب کچھ اپنے اصلی خدوخال کے ساتھ زمین پر نافذ ہوگیا۔ تب وہ تاریخی ارشاد نازل ہوا جس پر یہود نے رشک سے کہا تھا کہ اگر ہمارے دین میں ایسی آیت اُترتی تو اسی روز کو ہم روزِ عید قرار دیتے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔

اِس طرح شانِ ربوبیت نے انسانیت کی رُوحانی احتیاج قیامت تک کے لیے پوری کر دی۔ سلسلۂ نبوت ختم ہوا۔ اللہ کا دین کامل ہوا۔ محمد رسول اللہ قیامت تک کی انسانیت کے قائد اور ہادیٔ برحق قرار دیے گئے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔